# "اصول فلسفہ وروش رئالیسم"-چند صفحات کا مطالعہ (4)

# Study of a few Pages from:"The Principles of Philosophy and the Methodology of Realism" (4)

Open Access Journal
*Qtly. Noor-e-Marfat*
*eISSN: 2710-3463*
*pISSN: 2221-1659*
*www.nooremarfat.com*
**Note**: All Copy Rights are Preserved.

**Dr. Abou Hadi**
Director Noor Research & Development Pvt (Ltd.); Islamabad.
**E-mail:** noor.marfat@gmail.com

## Abstract:

The current article in question is the 4th part of a series of discussions consisting of a study of *Allama Tabataba*'i's book "*Usul Falsafa wa Rowish-e Realism*"; adorned with explanatory notes by professor *Murtaza Motahari*. In this article, in the light of the words of *Allama Tabataba'i* and *Ustad Shaheed Murtaza Motahari*, the first thing that has been examined is the question: "whether philosophical claims can be proven true or false in the light of scientific arguments?" The answer to this question is negative and it has been proven that there is no scope to prove or reject a philosophical claim on the basis of scientific experiences and quaries.

The second important point made in the present paper is shows that philosophy is not a fixed science in any way and if there is no improvement in philosophical opinions on some topics and issues, this is not a flaw of philosophy but, rather it is a plus point for philosophy. Similarly, this paper proves that science is eligible to give opinion regarding philosophical issues and topics at all because these issues are outside the scope and the subject of discussions of science. Furthermore, a brief, but comprehensive introduction to philosophy, sophism, materialism, and dialectical materialism, has also been presented in this paper. Under this

discussion, the mistakes of some thinkers regarding the distinction between these ism have been also exposed.

**Key words**: Science, Philosophy, Dialectical Materialism, Sophims, Allama, Tabatabai, Murtaza, Motahari.

**خلاصہ**

پیشِ نظر مقالہ استاد مرتضی مطہری کے تشریحی نوٹس سے مزین، علامہ طباطبائی کی کتاب "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" کے چند صفحات کے مطالعہ پر مشتمل سلسلۂ بحث کی چوتھی قسط ہے۔ اِس مقالے میں علامہ طباطبائی اور استاد شہید مرتضی مطہری کے کلام کی روشنی میں سب سے پہلے اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ آیا سائنسی دلائل کی روشنی میں فلسفی مدعیات کو برحق یا باطل ثابت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس مقالہ میں اِس سوال کا جواب منفی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسا نہیں کیا جاسکتا۔

موجودہ مقالے میں دوسری اہم بات یہ کی گئی ہے کہ فلسفہ کسی صورت کوئی فرسودہ علم نہیں ہے اور اگر بعض موضوعات و مسائل میں فلسفی آراء میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو یہ فلسفے کی خامی نہیں بلکہ یہ اُس کی خوبی ہے۔ اسی طرح اس مقالہ میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ سائنس، سرے سے فلسفی موضوعات میں زبان کھولنے کی مجاز بھی نہیں ہے کیونکہ یہ مسائل، سائنس کے موضوعِ بحث سے باہر ہیں۔ علاوہ ازیں، پیشِ نظر مقالہ میں فلسفے، سفسطے اور مادہ پرستی، نیز جدلیاتی مادہ پرستی کا مختصر مگر جامع تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔اور اِن مکاتبِ فکر کے درمیان حدبندی کے حوالے سے بعض مفکرین کی غلطیوں کو برملا کیا گیا ہے۔

**کلیدی کلمات**: سائنس، فلسفہ، جدلیاتی مادہ پرستی، سفسطہ، روش، محمد حسین، طباطبائی، مرتضی، مطہری۔

## 1. آیا سائنسی دلائل کے ذریعے فلسفی مدعا کو باطل ثابت کیا جاسکتا ہے؟

فلسفے کے مخالفین میں سے ایک بااثر اور اہم طبقہ تحوّلی مادیت Dialiactic Metarialism کے پیروکاروں کا ہے جو سائنسی معلومات کی بنیاد پر فلسفی نظریات کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اِن دانشوروں کا سارا زور اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح دنیا و مافیہا کو مادہ اور مادے کے مظاہر میں سمیٹ کر رکھ دیں اور ماورائے مادہ کائنات اور مجردات کا انکار کر دیں۔ نیز کائنات کے حقائق کو جاننے کے لیے سائنس اور عقل کو کافی قرار دیں اور دین یا میٹافزکس کی ضرورت کا انکار کر دیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سائنسی معلومات کی بنیاد پر فلسفی نظریات کے خلاف جنگ لڑتے لڑتے، یہ حضرات بذاتِ

خود فلسفی نظریات پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں جو اُن کی سب سے پہلی ناکامی شمار ہوتی ہے۔ دراصل اُن کی یہ حرکت بالکل اسی طرح بے معنی ہے جس طرح ایک شخص مایعات کی مدد سے جامدات کا محل تعمیر کرنا چاہے یا ریاضی کے فارمولوں کی مدد سے انسانی روّیے تجویز کرنا شروع کر دے۔ کیونکہ مادی اور غیر مادی چیزوں یا دوسرے الفاظ میں فلسفے اور سائنس کے درمیان ایسا کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ فلسفی موضوعات کو سائنس کے علم میں زیرِ بحث لایا جاسکے۔ یا مادے کے قوانین کی مدد سے مجردات کے قوانین کی تدوین اور اُن کی نفی یا اثبات کیا جاسکے۔

تحوّلی مادیت Dialiactic Metarialism کے پیروکاروں اِس بنیادی غلطی کی طرف احتمالاً پہلی بار علامہ طباطبائی نے اپنی کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم کے دوسرے مقالے کے اختتام پر پہلے نکتہ کے ضمن میں توجہ دلائی ہے۔ آپ فلسفی اور سائنسی بحث کے فرق کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"یہ بات مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ فلسفی بحث اپنی سنخ کے لحاظ سے سائنسی بحثوں سے سو فیصد مختلف ہوتی ہے، کبھی بھی کوئی سائنسی مسئلہ، خواہ اس کا تعلق کسی بھی [سائنسی] علم سے ہو، فلسفی بحث شمار نہیں ہوتا اور اسے فلسفی بحث کے متن میں جاگزین نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ہر فلسفی بحث اور کاوش (خواہ الٰہی، خواہ مادی)، سائنسی مباحث سے دور ہوتی ہے۔ اُس کا اپنا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے اور فلسفی بحث میں اشیاء کی پائے جانے اور نہ پائے جانے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔"[1]

اس کے بعد آپ مادہ پرست دانشوروں کی توجہ اس اہم نکتے کی طرف مبذول کرواتے ہیں کہ:

"ان دانش مندوں کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفی بحث اور سائنسی بحث میں ایک اساسی فرق پایا جاتا ہے اور جیسا کہ اِس سے پہلے کہا جا چکا ہے، اُن کی ڈیالیکٹک میٹیریالزم بھی ہماری میٹافزکس کی مانند حقیقی علوم کے دسترخوان پر بیٹھی ہے اور اِن علوم کے اُس محصول سے جو سرانجام فلسفی بحث پر منحصر ہے، استفادہ کر رہی ہے۔"[2]

یہاں استاد مطہری نے یہ یاد دہانی کروائی ہے کہ اصطلاح میں حقیقی علوم، اُن علوم کو کہا جاتا ہے جو اخلاق وغیرہ جیسے ان عملی علوم کے مقابل قرار پاتے ہیں، جنہیں قدماء اعتباری علوم کہا کرتے تھے۔

علامہ طباطبائی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے دعوے کی دلیل یہ ہے کہ ان دانش مندوں کی اُس گفتگو میں جو ہم نے اوپر نقل کی ہے، سائنس یا ریاضی کا حتیٰ ایک مسئلہ بھی نہیں ڈھونڈا جاسکتا۔ اس کے برعکس، ریاضی یا فزیکل سائنسز کی کتابوں میں اُن مسائل اور مباحث کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا جو ان دانش مندوں نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔"[3]

اس نکتے کی وضاحت میں استاد مرتضیٰ مطہری کا کہنا ہے کہ:

"اگر آپ ڈیالکٹیک میٹیریالزم کی کسی کتاب کا دقت کے ساتھ مطالعہ فرمائیں تو مشاہدہ کریں گے کہ ان کے تمام مسائل ایک طرح کے نظری استنباطات ہیں جنہیں مادہ پرست دانش مند سائنسی نظریات سے اور علمی مفروضے بنا کر دکھانا چاہتے ہیں۔ آئندہ فصلوں میں ڈیالیکٹک میٹیریالزم کا ایک ایک فلسفی اصول اپنے جواب کے ہمراہ دقیق بیان ہو گا اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ اصول کیسے علمی نظریات اور مفروضوں سے غلط طریقے سے اخذ کیے گئے ہیں۔"[4]

## 2. آیا فلسفہ ایک فرسودہ علم ہے؟

تحوّلی مادیت Dialiactic Metarialism کے پیروکاروں کا ہے فلسفے کے خلاف ایک الزام یہ ہے کہ فلسفہ سرانجام ایسی بند گلیوں میں جا پھنستا ہے جہاں سے نکلنے کا اُسے کوئی راستہ نہیں ملتا۔ دراصل، وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ فلسفی موضوعات گویا پرانے اور بوسیدہ موضوعات ہیں، فلسفہ ایک فرسود علم ہے اور فلسفی مباحث میں کوئی پیشرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جبکہ اُن کے زعم میں ڈیالیکٹیک میٹیریالزم میں یہ خامی نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ ڈیالیکٹیک میٹیریالزم کا دار و مدار سائنسی نظریات پر ہے جس میں نت نئی جہات اور جدید انکشافات سامنے آتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ڈیالیکٹیک میٹیریالزم میں بھی پیشرفت آتی رہتی ہے۔

لیکن علامہ طباطبائی نے اپنی کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم میں تحوّلی مادیّت کے پیروکاروں کے اس دعوی کو بھی مسترد کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"اگر دوسرے علوم کی مانند مابعد الطبیعت کے فلسفے میں پیشرفت حاصل نہ ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ [فلسفہ کے برعکس] تمام علوم مفروضوں کو بنیاد بنا کر بحث شروع کرتے ہیں۔ لٰہذا تجربات میں پیشرفت اور وسعت آنے کے ساتھ ساتھ ان علوم کے مفروضے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ [اور یوں اِن علوم میں گویا پیشرفت حاصل ہوتی رہتی ہے۔] لیکن فلسفے میں اگر علوم جیسی پیشرفت نہیں ہوتی تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فلسفے کی بنیاد، "بدیہیات" پر رکھی گئی ہے۔ لٰہذا فلسفی بحثوں کا نتیجہ ایک ثابت اور پائیدار نظریہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔"[5]

یہاں علامہ طباطبائی یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ علوم کی پیشرفت، اُن کی خوبی نہیں، بلکہ اُن کی خامی اور ناپختگی کی دلیل ہے۔ سائنس کی دنیا میں کسی بھی سائنسی موضوع پر پہلے مفروضہ قائم کیا جاتا ہے، پھر چند تجربات کی روشنی میں اس سے کوئی نتیجہ حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک مدّت گزرنے کے بعد جب جدید تجربات سامنے آتے ہیں تو چہ بسا سابقہ تجربات سے اخذ شدہ نتیجہ باطل قرار پاتا ہے اور اُس کی جگہ نیا نظریہ قائم کر لیا جاتا ہے اور اِسے علمی پیشرفت قرار دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ علمی پیشرفت نہیں؛ بلکہ علمی ناکامی اور ناپختگی کی دلیل ہے۔ جبکہ فلسفی

مباحث کا دار ومدار چونکہ بدیہی اور اظہر من الشّمس مطالب پر ہوتا ہے؛ نہ خود ساختہ مفروضوں پر، لہٰذا اِن مباحث کے نتائج بھی پائیدار ہوتے ہیں۔ اور اتفاقاً یہ فلسفے کی سائنس پر برتری کا شاخسانہ ہے؛ نہ کہ اُس کی ابتری کا۔
مزید برآں، اگر کسی علم میں تحول اور پیشرفت حاصل نہ ہو اور وہ پائیدار اور دائمی اصول بیان کرتا ہو اور یہ امر اُس علم کی خامی شمار کی جائے تو یہ خامی نہ فقط مابعد الطبیعیات اور فلسفہ میں بلکہ بذاتِ خود Dialiactic Metarialism میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ علامہ طباطبائی کے بقول:

"یہ دانشمند خود اِسی دعوے کو [کہ سائنس میں پیشرفت کے ساتھ ساتھ Dialiactic Metarialism میں بھی پیشرفت حاصل ہوتی رہتی ہے] ایک پائیدار اور ناقابل تحوّل [فرسودہ] نظریہ کے طور پر ہمیں بیچتے رہتے ہیں۔"[6]

دوسرے الفاظ میں ان دانشوروں کا یہ دائمی نعرہ اور دعوی کہ ڈیالیکٹیک میٹیریالزم میں سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے، خود ایک فرسود اور قدیمی نعرہ اور دعوی ہے۔ پس اگر فلسفے میں پیشرفت نہیں ہے تو ڈیالیکٹیک میٹیریالزم میں بھی پیشرفت حاصل نہیں ہوتی۔
قابل ذکر ہے کہ یہاں علامہ کے شاگرد استاد مطہری نے سائنس میں پیشرفت اور فلسفے میں عدمِ پیشرفت کی حقیقت کے حوالے سے بحث کو اس کتاب کے چوتھے مقالے کی تشریحی نوٹس کا حوالہ دیتے ہوئے موخر کر دیا ہے۔ یقیناً چوتھے مقالے میں استاد مطہری کے اس موضوع پر تشریحی نوٹس قابل مطالعہ ہوں گے۔

## 3. سائنس، فلسفی مسائل کے بارے میں کیوں لب کشائی نہیں کر سکتی؟

علامہ طباطبائی نے اپنی کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم کے دوسرے مقالے کے اختتام پر دوسرے نکتے کے ضمن میں جس اہم مطلب پر بحث کی ہے وہ یہ ہے کہ تمام علوم اپنے موضوع کے اثبات میں کلی طور پر فلسفے کے محتاج ہیں۔ دراصل، ہر علم ایک مخصوص موضوع کا محتاج ہوتا ہے اور اُسی موضوع سے مربوط مسائل پر بحث کرتا ہے۔ مثال کے طور پر میڈیکل سائنسز کا موضوع انسانی یا حیوانی بدن ہے اور یہ سائنس بدن کے اُن مسائل پر بحث کرتا ہے جو صحت اور بیماری کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ لیکن میڈیکل سائنسز میں خود بدن کی وجود و عدم وجود پر کوئی بحث نہیں کی جاتی۔ بلکہ بدن کے وجود کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر اخذ کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خود بدن کے وجود کے بارے میں شک و تردید کا شکار ہو جائے کہ آیا بدن موجود ہے یا نہیں، تو اس سوال کا جواب فلسفے میں ڈھونڈا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ مدعی ہیں کہ: " تمام علوم اپنے موضوع کے اثبات میں کلی طور پر فلسفے کے محتاج ہیں۔"
علامہ طباطبائی یہاں اگلا مطلب جو بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ علوم کے موضوعات کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے

لیکن فلسفے کے موضوع کا دائرہ وسیع ترین دائرہ بحث ہے۔ بنابرایں، کوئی بھی مادی اور سائنسی علم اپنے موضوع سے باہر کے کسی مسئلہ کے بارے میں اظہارِ رائے کا حق بھی نہیں رکھتا اور اگر وہ اپنے پاوں اپنی چادر سے زیادہ پھلانے کی کوشش بھی کرے تو اُس کی یہ سعی، لاطائل ہو گی۔ بقول علامہ طباطبائی:

"کیونکہ ہر علم کی کاوش اپنے موضوع کے گرد ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر اس کا موضوع مادی ہو تو اس کی نفی و اثبات بھی مادہ سے تجاوز نہیں کرے گی اور اسے مادہ کے غیر کی نفی یا اثبات کا حق نہیں ہوگا۔"[7]

لیکن اس کے برعکس، چونکہ فلسفے کا موضوع فقط کسی ایک مخصوص موجود تک محدود نہیں ہے، لہٰذا فلسفہ تمام علوم کے موضوعات کے بارے میں نفی یا اثبات میں کوئی حکم لگا سکتا ہے:

"بنابریں، ممکن ہے ایک علم کسی چیز کو ثابت کرے، لیکن فلسفہ اس کے اثبات پر قناعت نہ کرے یا علم اُس چیز کی نفی کرے، لیکن فلسفہ اِس نفی کی پروانہ کرے۔"[8]

اس کے بعد علامہ طباطبائی نے اپنے اِس مدعا کو ایک طب اور دوسری ریاضی کی دو مثالوں کے ذریعے سمجھایا ہے۔ پہلی مثال انسانی "فہم و ادارک" کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ سائنسی علوم فہم و ادارک کے حوالے سے کس حد تک نفی و اثبات کر سکتے ہیں؟ علامہ طباطبائی مدعی ہیں کہ سائنسی علوم اس حوالے سے زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتے ہیں کہ جب انسان کسی مطلب کا فہم اور ادارک حاصل کرتا ہے تو سائنسی/طبّی تجربات اتنا بتا سکتے ہیں کہ انسان کے مغز میں فلاں مخصوص تبدیلی واقع ہوتی ہے یا فلاں مادّی کیفیّات ایجاد ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا سائنسی، طبّی تجربات یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ انسانی فہم و ادراک کے حصول کے عمل میں انسانی وجود کے اندر کوئی غیر مادّی کیفیّت بھی ایجاد ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب منفی ہے کیونکہ:

"اِس سوال کے جواب میں طبّی تجربات اور بحث خاموش ہیں (اس حوالے سے تیسرے مقالے کو دیکھا جائے)۔ اور اگر "ادراک" کے عمل میں مغز میں ہونے والی مادّی تبدیلی کے علاوہ کوئی غیر مادّی تبدیلی ایجاد ہوتی بھی ہو تو طبّی تجربات اُس کا کھوج نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ ہر مقدمہ فقط اپنی سنخ کا نتیجہ پیش کر سکتا ہے۔"[9]

دراصل، یہاں علامہ طباطبائی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اگرچہ انسانی بدن کے بارے میں بحث تو سائنس کا موضوع ہے لہٰذا انسانی مغز میں ایجاد ہونے والی تبدیلیوں کی نفی یا اثبات تو سائنس کے ذریعے کیا جا سکتا ہے لیکن بالفرض یہ سوال درپیش ہو کہ آیا فلان مطلب وکے فہم وادارک پر انسان خوش ہوا ہے یا غمگیں؟ تو چونکہ خوشی اور غمی انسانی بدن کے مسائل نہیں لہٰذا سائنس ان کے وجود یا نفی کے اثبات کا حق ہی نہیں رکھتی اور اِس معاملے میں اُسے اپنی بولتی بند رکھنی چاہیے۔ بطور کلی، علامہ طباطبائی یہاں یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

"اگر طبیعیات میں کسی چیز کے وجود کی نفی کر دی جائے تو فلسفہ تنہا طبیعیات کا سہارا لیتے ہوئے اُس چیز کے

وجود کی نفی پر قناعت نہیں کرے گا اور اپنی کاوش اور جستجو کو جاری رکھے گا۔"[10]

دوسری مثال ریاضی کے ایک فارمولے سے ہے۔ مثال کے طور پر ریاضی میں درج ذیل فارمولا برہانی، یقینی اور قابل قبول ہے کہ: اگر 4 *2- مساوی ہو x کے تو 2*4- بھی x کے مساوی ہوگا۔ یعنی ریاضی میں اِس معادلہ میں یہ ممکن ہے کہ معادلہ کی ایک طرف کے ایجابی عدد کو اٹھا کر سلبی عدد میں تبدیل کرکے معادلے کی دوسری جانب کے سلبی عدد کی جگہ رکھ دیں اور برعکس، ایک سلبی عدد کو اٹھا کر ایجابی عدد میں تبدیل کرکے معادلہ کی پہلی جانب کے ایجابی عدد کی جگہ رکھ دیں۔ لیکن فلسفی مسائل پر ریاضی کا یہ فارمولا لاگو نہیں کیا جا سکتا اور مثال کے طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ:

" اگر (Oxygen) + (Wood) مساوی ہو (Fire) کے تو (Oxygen) + (-Wood) بھی (-Fire) کے مساوی ہوں گے۔ یعنی وجود اور عدم کے مسائل جو کہ فلسفی مسائل ہیں، اُن پر ریاضی کے فارمولے لاگو نہیں کیے جا سکتے؛ کیونکہ دونوں کے مسائل کی سنخ جدا جدا ہے۔ یعنی ریاضی میں تو کسی کسی خاص فارمولے کے تحت مثبت اعداد کو منفی میں تبدیل کرکے یا برعکس، ایک جیسے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں؛ لیکن وجود کو عدم میں یا عدم کو وجود میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

مجموعی طور پر اِن علوم اور فلسفے کی مثال ایک ایسے لکڑہارے کی ہے جو اپنا کلہاڑا اٹھائے، ایندھن جمع کرنے کی غرض سے کسی پہاڑی کا رخ کرے اور راستے میں ایک شخص اُس سے یہ کہہ دے کہ: "پہاڑی کا رخ نہ کرو کیونکہ وہاں کچھ نہیں ہے" تو یہاں "کچھ نہیں ہے" سے مراد یہ ہے کہ: "پہاڑ پر ایندھن نہیں ہے۔" کیونکہ یہاں لکڑہارے کی غرض کے ظرف میں "کچھ" مساوی ہے ایندھن کے۔

لیکن اگر کوئی "کچھ نہیں ہے" سے یہ مطلب اخذ کرلے کہ پہاڑی پر سرے سے کوئی چیز بھی نہیں ہے؛ نہ پہاڑ ہے، نہ پتھر، نہ خس و خاشاک، نہ سبزہ اور نہ کوئی اور چیز تو یہ یقینا غلط نتیجہ گیری ہوگی۔ کیونکہ پہاڑی پر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے شخص سے یہ جملہ کہنا کہ جو پہاڑی کی طرف اس لیے نکلا ہو تاکہ معلوم کرسکے کہ پہاڑی پر کیا کیا پایا جاتا ہے جھوٹ ہوگا۔ اِس مثال سے علامہ طباطبائی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

"دیگر علوم میں کسی چیز کے وجود یا اثبات کے بارے میں پیش کیے گئے کسی نظریہ کو بنیاد بنا کر فلسفہ میں کوئی مثبت یا منفی نظریہ نہیں اپنایا جا سکتا۔"[11]

## 4. سفسطہ، حقیقت پرستی اور مادہ پرستی

علامہ طباطبائی نے اپنی کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم کے دوسرے مقالے کے اختتام پر تیسرے نکتے کے ضمن میں سفسطےIdealism، فلسفےRealism اور مادہ پرستیMaterialism کافرق بیان فرمایا ہے۔ اس حوالے سے

آپ رقمطراز ہیں کہ:

"وہ مکتب جو اشیاء کے وجود یا عدم کے اثبات کے درپے ہو، بنیادی طور پر اپنی پہلی تقسیم میں دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی:

i. فلسفہ یا (Realism)

ii. سفسطہ یا (Idealism)۔

اسی طرح فلسفی مکتب بھی اپنی جگہ ماوراء الطبیعت کے اثبات یا ابطال کے حوالے سے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک قسم کا نام "ماوراء الطبیعت" یا (Metaphysics) ہے۔۔۔ اور دوسری قسم کا نام "مادہ پرستی" یا (Materialism) ہے۔ آگے چل کر میٹیریالزم ایک ثابت اور دائمی منطق پر موقوف ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے خود دو مکاتب، مابعد الطبیعی مادیت (Metaphysical Materialism) اور تحولی مادیت (Dialictial Materialism) میں تقسیم ہوتا ہے۔"[12]

## 5. فلسفہ اور مابعد الطبیعت

کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم کے دوسرے مقالے کے تیسرے نکتے پر اپنے تشریحی نوٹ میں استاد مرتضی مطہری نے چند فلسفہ اور مابعد الطبیعت کی اصطلاحوں کی تعریف اور اُن کا باہمی فرق، نیز اس حوالے سے پائی جانے والی ایک عام غلط فہمی کو واضح کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں کہ:

"میٹا فزکس ایک یونانی کلمہ ہے جو دو کلموں - (میٹا) یعنی "بعد میں" اور (فزکس) یعنی "طبیعت" - سے مرکب ہے اور اس کا معنی "عالم طبیعت کے بعد" ہوتا ہے۔ فلسفے کی تاریخ میں ارسطو کے بارے میں آیا ہے کہ اس نے ریاضی کے علاوہ، اپنے زمانے (میلاد مسیح سے چار صدیاں قبل) کے دیگر تمام علوم پر کتابیں لکھیں اور اس کی تصنیفات ایک دائرۃ المعارف تھیں۔ یہ دائرۃ المعارف تین بنیادی علوم پر مشتمل تھا:

۱۔ **نظری علوم**: کہ جن میں طبیعیات کے بارے میں کئی کتابیں شامل تھیں اور ان کے اختتام پر فلسفۂ اولیٰ کی کتاب تھی۔

۲۔ **عملی علوم**: کہ جن میں اخلاق، تدبیر منزل اور شہروں و ملکوں کی سیاست شامل تھی۔

۳۔ **ابداعی علوم**: کہ جن میں شعر، خطابہ اور جدل شامل تھے۔

اس ترتیب کے پیش نظر، چونکہ فلسفہ اولیٰ، طبیعیات کے بعد قرار پاتا تھا، لہٰذا اسے مابعد الطبیعت کہا گیا۔ یہ نام خود ارسطو نے فلسفے کو نہیں دیا، بلکہ بعد میں آنے والوں نے اس ترتیب کی وجہ سے فلسفے کا نام "مابعد الطبیعت"

رکھ دیا۔ اور بعد میں مترجمین کے غلط ترجمے کے سبب اور غلط تفاسیر کی روشنی میں میٹافزکس کا کلمہ، عالم طبیعت کے اُس پار، عالمِ مجردات کے علم پر بولا جانے لگا اور الٰہی فلاسفرز کو میٹافزیشینز کہا جانے لگا۔"[13]

استاد مطہری کے بقول، اگرچہ یہ غلطی، پہلی نظر میں ایک لفظی غلطی تھی لیکن یہ کئی فکری غلطیوں کا موجب بنی اور بعض مادی مکتب فلسفیوں نے میٹافزکس کی یہ تفسیر بیان کی کہ: "ایک ایسا علم کہ جو خدا اور روح کے بارے میں بحث کرتا ہے۔" حالانکہ (فلسفہ اولیٰ) کا موضوع فقط خدا اور روح نہیں، بلکہ وجود بطور مطلق Absolute) (Existence ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ ایک شخص میٹافزیشن ہوتے ہوئے بھی مادہ پرست ہو۔

## 6. جدلیاتی مادہ پرستی

دوسرے مقالے کے تیسرے نکتے کے ضمن استاد مرتضی مطہری نے جدلیاتی مادہ پرستی پر اپنے تشریحی نوٹ میں اس مکتب کا اجمالی تعارف کروایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"جدلیاتی مادہ پرستی کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی طور پر Dialectique ایک یونانی کلمہ ہے جو Dialogos سے لیا گیا ہے جس کا معنی بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ یہ در حقیقت، بحث کے اُس انداز کا نام ہے جو عظیم یونانی دانش مند سقراط، اپنے مخالفین کے نکتۂ نظر کو غلط اور اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اپناتا تھا۔ سقراط کا طریقۂ کار یہ تھا کہ وہ سادہ مقدمات کو لیتا، اُن کے گرد سوالات شروع کرتا اور بہت سی باتوں کا طرفِ مقابل سے اقرار لے لیتا۔ پھر اپنے سوالات کو جاری رکھتا؛ یہاں تک کہ مدمقابل کو اس وقت پتہ چلتا جب سقراط اپنے دعوے کے اثبات میں اعتراف لے چکا ہوتا تھا۔ تعلیم و تربیت میں آج بھی یہ روش، سقراطی روش کے نام سے معروف ہے۔

سقراط کے شاگرد، افلاطون نے بھی "ڈیالیکٹک" کا کلمہ اپنے ایک مخصوص اندازِ بحث یعنی "حقیقی معرفت کے حصول کے لیے عقلی تأملات" کا سہارا لینے کے لیے استعمال کیا۔ افلاطون کا کہنا ہے کہ: "علم کا تعلق محسوسات سے نہیں ہے۔ کیونکہ علم کا متعلق کلی ہونا چاہیے نہ کہ جزئی۔ حقیقی معرفت تو "مُثُل" (Forms) کا ادراک ہے۔ اور اس سے قبل کہ انسان اس دنیا میں آئے، ہر شخص کی روح میں یہ معرفت رکھ دی گئی ہے۔ اس دنیا میں علم تو فقط ماضی کے تذکّر اور یاد آوری کا نام ہے۔"

افلاطون کے مطابق، فکری ورزش اور ذوق و عشق کے ذریعے نفس کو اس کا ماضی یاد دلانا چاہیے۔ افلاطون، یاد آوری کے اس عمل کے ذریعے معرفت کے حصول کا نام "ڈیالیکٹک" رکھتا ہے۔ افلاطون کے بعد جرمن فلاسفر، کانٹ جیسے بعض جدید دانش مندوں نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے۔ معروف جرمن فلاسفر، ہیگل جس کا شمار انیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کے فلاسفرز میں سے ہوتا

ہے، اُس نے عقل کی مدد سے حقائق تک پہنچنے کے لیے ایک خاص روش اپنائی اور اس روش کا نام ڈیالیکٹک رکھا۔ ہیگل کی ڈیالیکٹک منطق کی وضاحت آئندہ مقالات میں پیش کی جائے گی۔ اگرچہ ہیگل اپنے فلسفی نظریات میں مادی نہیں تھا۔ لیکن اس کے شاگرد، کارل مارکس اور انگلس، جنھوں نے یہ منطق اپنے استاد سے سیکھی تھی، مادی نظریات کے حامل تھے اور وہ اس حوالے سے اٹھارہویں صدی کے مادی فلاسفرز کے پیروکار تھے۔

جب مارکس اور انگلس نے اپنے مادی نظریات کی توضیح ہیگل سے سیکھی گئی "ڈیالیکٹک منطق" کی اساس پر رکھی تو "ڈیالیکٹک میٹیریالزم" کا مکتب وجود میں آیا۔ درحقیقت، "ڈیالیکٹک میٹیریالزم" کارل مارکس اور انگلس کی طرف سے اٹھارہویں صدی کے مادی فلسفہ اور ہیگل کی منطق کے عناصر کو باہم ملا کر بنائی جانے والی معجون کا نام ہے۔ جیسا کہ بعد میں اس مطلب کی وضاحت پیش کی جائے گی۔

ڈیالیکٹک منطق کا ایک مسلّمہ اصول "اصلِ حرکت" ہے۔ اس اصول کے مطابق، اشیاء کا حرکت اور تحوّل کی حالت میں مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔

ڈیالیکٹک منطق کے نزدیک (جیسا کہ خود اس کا دعویٰ ہے) جمود اور یکسانیت، میٹافزیکل طرزِ تفکر کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیالیکٹک میٹیریالزم کے فلاسفرز، اُس مادی فلسفہ کو جس میں پہلے میٹافزیکل طرزِ تفکر پایا جاتا تھا، یعنی وہ اشیاء کو جامد اور یکساں قرار دے کر ان کا مطالعہ کرتا تھا، "میٹافزیکل میٹیریالزم" کا نام دیتے ہیں۔ یعنی ایسی مادہ پرستی جس کا طرزِ تفکر، میٹافزیکل ہو۔ لہٰذا اس لحاظ سے میٹافزیکل میٹیریالزم اور ڈیالیکٹک میٹیریالزم ایک دوسرے کے مدّمقابل قرار پاتے ہیں۔"[14]

*****

## *References*


1. Allama Syed Muhammad Hussain Tabatabaie, *Usool-e Falsafa wa Rawish-e Realism*. Vol. 1 (Tehran, *Intesharat-e Sadra*, 1393 SH.), 46-7.

2. Ibid, 47.
3. Ibid, 47.
4. Ibid, 47.
5. Ibid, 48.
6. Ibid, 48.
7. Ibid, 48.
8. Ibid, 48.
9. Ibid, 49.
10. Ibid, 49.
11. Ibid, 50.
12. Ibid, 50-51.
13. Ibid, 50.
14. Ibid, 51-52.